علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کے چند تفردات ومجتہدات

محمد راشد انصاری
ریسرچ اسکالر شعبہ علوم اسلامی

ABSTRACT:

islam is the religin of natur.One of the most remarkable features of it is that it has eapacity to present the solution of every newlyborn issues Quran and sayings of Hazrat Muhammad are the final for every oe and fountainhead. But is not easy to find out the solution. Rather entities with exceptional talent possess these characteristies and qualities that Allah the Almighty endowes them with ability of Ijtihad. since the door of ijtihad is opne for all time to come. good fearing presentaties through ijtihad endeavour to find out the solution of every newlyborn issues in the light of the noble Quran and the saying of Muhammed . Of then in present are Allamah GHulam Rsool Saeedi is worthmentining. However in this treatose,Icompiled some of this ijtihad and Tafarrudat in "Sharh Saheeh Muslim" (will known cimentary of Muslim)

ولادت، ابتدائی تعلیم وحالات

شیخ التفسیر والحدیث ابوالوفاء علامہ غلام رسول سعیدی (۱۰) رمضان المبارک ۱۳۵۶ھ بمطابق ۱۴ نومبر ۱۹۳۷ کو دہلی انڈیا میں پیدا ہوئے۔ ۶ سال کی عمر میں والدہ ماجدہ سے قرآن مجید ناظرہ مکمل کیا اور ۱۰ سال کی عمر میں آپ نے پنجابی اسلامیہ ہائی اسکول

دہلی سے پرائمری کیا۔ مزید سلسلہ تعلیم جاری تھا کہ برصغیر کی تقسیم عمل میں آئی چنانچہ آپ انڈیا سے ہجرت کر کے ۱۹۴۷ء میں پاکستان آگئے اور اہل خانہ کے ساتھ شہر کراچی میں اقامت پزیر ہوئے۔ معاشی حوادث و مسائل کی وجہ سے تعلیم جاری نہ رہ سکی تو آپ نے کمپوزنگ کا کام سیکھ لیا اور تقریباً آٹھ سال تک کراچی کے پریسوں پر کام کرتے رہے۔ تحصیل علم کا شوق دل کو بے چین رکھتا۔ لہذا جب ذوق نے گہری انگڑائی لی تو ملازمت ترک کرنے کے ساتھ ساتھ شہر کراچی کو خیر باد کر دیا اور جامعہ محمدیہ رحیم یار خان پہنچ گئے اور وہاں مولانا محمد نواز اویسی صاحب سے ابتدائی کتب اور ترجمہ قرآن پڑھا اسکے بعد علامہ عبدالمجید اویسی صاحب سے فارسی کی چند کتب اور صرف و نحو پڑھیں پھر انکے ہمراہ سراج العلوم خانپور گئے اور وہاں سے جامعہ نعیمیہ لاہور تشریف لے آئے۔ یہاں مولانا عبدالغفور صاحب سے کافیہ، اصول الشاشی، شرح تہذیب، نور الانوار اور مفتی محمد حسین نعیمی علیہ الرحمہ سے شرح جامی، قطبی، جلالین شریف اور ہدایہ الحکمت وغیرہ پڑھیں۔ ذوق علم آپ کو بندیال شریف، ضلع خوشاب کھینچ لایا۔ یہاں آکر آپ استاد العلماء، رئیس المناطقہ علامہ عطا محمد بندیالوی علیہ الرحمہ سے کتب معقول و منقول، جامع ترمذی، توضیح و تلویح، ہدایہ اخیرین، مختصر المعانی، مطول، ملاحسن، حمد اللہ، میبذی، صدرا، شمس بازغہ، زواہد ثلثہ، قاضی مبارک، خیالی اور مسلم الثبوت وغیرہ پڑھیں۔ اخیر میں آپ جامعہ قادریہ فیصل آباد تشریف لے گئے جہاں آپ نے مولانا ولی النبی علیہ الرحمہ سے اقلیدس اور تصریح پڑھیں۔

تدریس

۱۹۶۶ء میں علوم عقلیہ ونقلیہ سے فراغت حاصل کر کے اسی سال جامعہ نعیمیہ لاہور میں پڑھانا شروع کیا۔ چار سال تک مختلف علوم پڑھاتے رہے اور ۱۹۷۰ء سے دورہ حدیث پڑھانا شروع کیا۔ ۱۹۷۴ء میں مفتی شجاعت علی قادری صاب کی دعوت پر آپ کراچی تشریف لائے اور ایک سال تک دارالعلوم نعیمیہ کراچی میں حدیث شریف کے اسباق پڑھاتے رہے، بعد ازاں مفتی محمد حسن نعیمی علیہ الرحمہ کی خواہش پر دوبارہ نعیمیہ لاہور تشریف لے گئے ۱۹۸۳ء میں آپ کو کمر کی تکلیف اور شگر کا عارضہ لاحق ہوگیا جسکی وجہ سے نیچے بیٹھ کر پڑھانا دشوار ہوگیا۔ سو مفتی شجاعت علی قادری کے بے حد اصرار پر ۱۹۸۵ء میں دوبارہ کراچی تشریف لے آئے اور بحیثیت شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی میں رونق افروز ہوئے اور تادم تحریر یہیں اقامت پزیر ہیں۔(۱)

تصانیف

مولانا غلام رسول سعیدی صاحب جس طرح فن تدریس میں ماہر ہیں اسی طرح تصنیف و تحریر میں بھی آپکو بلند مقام حاصل ہے۔ آپ کی تصانیف درج ذیل ہیں۔

(۱)تفسیر تبیان القرآن(۱۲ جلد)	(۲)شرح صحیح مسلم(۸ جلد)
(۳)تذکرۃ المحدثین	(۴)توضیح البیان
(۵)مقالات سعیدی	(۶)مقام ولایت و نبوت
(۷)ذکر بالجہر	(۸)حیات استاد العلماء
(۹)ضیائے کنز الایمان	(۱۰)فاضل بریلوی کا فقہی مقام

(۱۱) نعمۃ الباری (شرح صحیح بخاری جس کا نام اب بدل کر نعم الباری رکھ دیا گیا ہے۔ اب تک بارہ جلدیں منظر عام پر آ چکی ہیں باقی کام جاری ہے) ابھی زیر طبع ہے۔

ویسے آپکی تمام تصانیف زیور علم سے آراستہ ہیں اور اہل و دانش کی نظر میں بلند مقام رکھتی ہے لیکن آپکی لکھی ہوئی تفسیر تبیان القرآن شرح صحیح مسلم اور نعمۃ الباری دنیائے علم میں گراں قدر اضافہ ہیں اور یہ آپکی تصانیف نہ صرف دنیا کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی ہیں بلکہ اہل علم، عوام و خواص سب ہی اس سے مستفید ہو رہے ہیں قرآن و حدیث کی یہ خدمت مسلمانوں کیلئے ایک عظیم تحفہ ہے جسے لوگ رہتی دنیا تک یاد رکھیں گے۔

رکن اسلامی نظریاتی کونسل

آپ اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن بھی رہ چکے ہیں۔ فروری ۱۹۹۷ء میں آپ اس کے رکن منتخب ہوئے اور مقررہ معیار کے مطابق ۱۹۹۹ء تک اسکے رکن رہے۔ اور نامور عالم دین اور محقق ہونے کی حیثیت سے مسلک اہل سنت کی نمائندگی فرمائی۔

تبلیغی دورے

آپ نے دو مرتبہ برطانیہ کے تبلیغی دورے فرمائے پہلی بار ۱۹۹۰ء میں تین ماہ تک برطانیہ کے مختلف شہروں لندن، مانچسٹر، بریڈفورڈ، برمنگھم اور برسٹل وغیرہ میں دینی اجتماعات سے خطاب کیا مختلف مقام پر لیکچرز دیے۔ واپسی پر حرمین شریفین کی زیارت حاصل کی۔ دوسری بار ۱۹۹۲ء میں برطانیہ تشریف لے گئے اور دو ماہ قیام فرمایا اور مبلغ دین کا فریضہ انجام دیا، اہم بات یہ ہے کہ اپنے دونوں تبلیغی دوروں میں آپ نے شرح صحیح مسلم کا کام جاری رکھا۔ (۲)

تادم تحریر آپ اپنی عمر کے ۷۲ سال گزار چکے ہیں۔ علم سے لگاؤ اور دین کی خدمت کا جذبہ عمر کے اس حصے میں بھی پہلے سے زیادہ جوان دکھائی دیتا ہے۔ تدریس کے ساتھ ساتھ صحیح بخاری کی شرح برق رفتاری سے جاری ہے۔ اگرچہ آپ جسمانی اعتبار سے انتہائی کمزور ہو چکے ہیں ڈاکٹرز کے منع کرنے کے باوجود آپکے جذبے میں کمی نہیں دکھائی دیتی آپ اپنی تصانیف میں جگہ جگہ قارئین سے دعا کی گزارش کرتے ہیں کہ اللہ انکو اتنی عمر عطا فرمائے کہ انکی تصنیف پایۂ تکمیل تک پہنچ جائے۔ ہم ان کے لئے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ انکا سایہ ہم پر تادیر قائم فرمائے اور انکی اتنی لمبی عمر بخیر عطا فرمائے کہ انکا علم صفحۂ قرطاس پر انکی امید سے زیادہ منتقل ہو تا کہ رہتی دنیا انسانیت اس سے مستفید ہوتی رہے۔

مولانا غلام رسول سعیدی صاحب نے جہاں قرآن وحدیث کی شرح میں ہر قدیم و جدید موضوعات پر سیر حاصل بحث کی ہے وہاں آپ نے اپنی اجتہادی صلاحیتوں کو استعمال کر کے اس عقیدہ جمود کو توڑا ہے جو عوام و خواص میں "اجتہاد کے بند دروازے" کی صورت میں رائج ہو رہا تھا۔ آپ نے بہت سے مسائل میں روایتی موقوف کو چھوڑ کر دلائل کی بنیاد پر اپنا الگ موقف اختیار کیا اور "یسرّوا ولا تعسّروا" کے مصداق کے تحت نت نئے پیش آمدہ مسائل پر اپنے اجتہادات جو ہر پیش فرمائے تاکہ امت "اختلاف علماء امتی رحمۃ" کی برکتوں سے فیضیاب ہوتی رہے اور دیگر مذاہب کے مقابلے میں دین اسلام کی یہ خوبیاں دنیا کے سامنے نکھر کر سامنے آ جائیں کہ دین اسلام میں کس قدر لچک موجود ہے اور ہر زمانے کے مسائل کا حل یہ اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے

ہے۔ زیرِ نظر مقالہ علامہ صاحب کی انہی خوبیوں کا مختصر مجموعہ ہے جسے میں نے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور آپ کے ان تفردات کو جمع کیا ہے جو آپ کی صرف ایک تصنیف شرح صحیح مسلم کے اندر مختلف مقامات پر موجود ہیں میرا یہ مقالہ مختصر ضرور ہے لیکن مجھے امید ہے کہ راہِ تحقیق میں قدم رکھنے والوں کیلئے ایک مشعلِ ضرور ثابت ہوگا جو اس منزل کی طرف رہنمائی کریگا کہ "ابھی راستے میں جہاں اور بھی ہیں" تحقیق کا یہ میدان ابھی خالی پڑا ہے۔ اگرچہ جزوی طور پر اس پر کام ہوتا رہا ہے مگر اسپر مزید کام کرنے کی ضرورت ہے تا کہ دنیا علامہ صاحب کی دینی خدمات، آپکے کارناموں اور آپ کی اجتہادی خوبیوں سے واقف ہونے کے ساتھ ساتھ دین متین کی عالمگیری تعلیمات سے فیضیاب ہو اور دین کے یہ چراغ ہمیشہ جلتے رہیں، جاوداں رہیں اور پورا عالم اس سے منور ہوتا رہے۔

(۱) مسئلہ کفائت اور علامہ سعیدی صاحب کی تحقیق

نکاح کے معاملے میں اسلام میں مسئلہ کفو آج کے ماڈرن زمانہ میں جبکہ مساواتِ انسانی کے دعویدار پوری دنیا میں اداروں، تنظیموں اور تحریکوں کی شکل میں موجود ہیں، بہت زیادہ زیرِ بحث رہا اور اس پر اعتراضات ہوتے رہے ہیں۔ اس کفو کے مسئلہ کی وجہ سے عرب و عجم دونوں میں خاندانی قبائلی اختلافات اور دشمنی کا سبب بھی بنتے رہے ہیں اس کے ذریعے مسلمانوں میں ہی اعلیٰ و ادنیٰ ہونے کا ایک تصور بھی ابھارنے کی کوشش کی گئی۔ خاص طور پر سادات کرام کا غیر سادات سے نکاح کا معاملہ محقق کے یہاں بہت زیرِ بحث رہا ہے۔ جسکی وجہ سے معاشرہ طبقات میں تقسیم ہوتا دکھائی دیتا ہے خواہ وہ حسب و نسب کے حوالے سے ہو یا مال و دولت کے حوالے سے۔ بہر حال ہر چیز کو عقل کی بنیاد پر پرکھنے والا یہ زمانہ اسطرح کے اختلافات یا تقسیم کو قبول نہیں کرتا۔

اسلام میں دراصل اس مسئلہ کی بنیاد حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت "لا تنکحو النساء الا من الاکفاء ولا یزوجھن الا الاولیاء ولا مھر دون عشرۃ دراھم" (۳) کو بنایا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ صاحب ہدایہ (جو کہ اسکے جواز کے قائل ہیں) تک نے اس مسئلہ میں اسی حدیث کو اپنا مستدل بنایا ہے۔ اسکے علاوہ امام حاکم نیشاپوری نے ایک دوسری بھی حدیث بیان کی ہے۔ "عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا ان رسول اللہ ﷺ تخیروا لنطفکم فانکحوا الاکفاء وانکحوا الیھم" (۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی اولاد کیلئے رشتہ پسند کرو خود بھی کفو میں نکاح کرو اور کفو میں رشتہ دو۔ یہ حدیث بھی اس مسئلہ میں مستدل کے طور پر بیان کی جاتی رہی ہے۔

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نے فی زمانہ حالات کی نزاکت اور اسلام پر ہونے والے اعتراض کے پیشِ نظر اس مسئلہ کا بڑی گہرائی و گیرائی سے جائزہ لیا اور اس پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے اور ان روایتوں کو پیش کرنے کے بعد انکی اسنادی فنی حیثیت پر بحث کر کے اسے ضعیف و متروک قرار دیا ہے اور اپنے موقف پر دیگر محدثین کو بطور دلیل پیش کیا ہے علاوہ ازیں اپنے طریقہ کار کے مطابق فقہائے اربعہ کی آراء بالتفصیل بیان کرتے ہوئے اس پر بحث کی ہے اور علامہ شامی کی اس تحقیق سے پردہ اٹھایا ہے جو عام طور پر دیگر محققین کی نظروں سے اوجھل رہی ہے اور بڑی باریک بینی سے اس مسئلہ میں اصل تک پہنچ کر کہ یہ مسئلہ کہاں سے اٹھا اور کن کن اقوال کے تحت معاشرے میں رائج ہوا ہر ایک کی تفصیل اور پھر اسکی حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔ بڑے مؤدبانہ انداز میں فقہائے

کرام کے تسامحات بیان کرنے کے بعد ان اقوال کو لائے جو آپکے نزدیک زیادہ قرین قیاس اور مقاصد شرعیہ کو پورا کرنے والے ہیں۔ مثلاً ایک مقام پر آپ صاحب ہدایہ اور علامہ شامی کے اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ''ہر چند کہ ظاہر الروایہ میں صحت نکاح کیلئے کفو کا اعتبار نہیں ھے لیکن نوادر کی روایت جو حسن بن زیاد سے مروی ھے کہ اسمیں صحت نکاح کیلئے کفو کی شرط ہے۔ علامہ شامی نے اسی روایت کو فتوی کیلئے اختیار کیا ھے۔ علامہ شامی اور دوسرے مشائخ کا ظاہر الروایہ کے مقابلہ میں نوادر کی روایت پر فتوی دینا اصول کے خلاف ھے اور صحیح نہیں ھے''۔(۵) پھر آپ نے اپنی تائید میں علامہ شامی ہی کا قول نقل کیا ھے کہ ''البحر الرائق کی کتاب الرضاع میں تصریح ہے کہ جب کسی فتوی کا ظاہر الروایہ سے تعارض ہو تو ترجیح ظاہر الروایہ کو ہوتی ہے اسی طرح علامہ غلام رسول سعیدی صاب نے علامہ شامی کے موقف کی ان ہی کے قول سے رد دیدی۔ اسکے ساتھ ساتھ آپ نے اپنے موقف پر ملا مسکین، علامہ زین العابدین، ابن نجیم، قاضی خان، علامہ علاؤ الدین حصکفی اور علامہ شامی کے ان اقوال کو جو علامہ سعیدی صاحب کے موقف کی تائید کرتے ہیں بیان کئے ہیں اور لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ علامہ شامی کی تحقیق کو آشکارہ کیا ہے۔

ان تمام ابحاث پر مدلل و مدبّر تحقیق کے بعد علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نتیجہ بیان کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں کہ اس سے واضح ہوگیا ہے کہ ظاہر الروایہ ہو یا حسن بن زیاد کی مفتی بہ روایت دونوں کا اسمیں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جب لڑکی اور اسکا ولی غیر کفو میں نکاح پر راضی ہوں تو وہ نکاح صحیح ہے اور یہی قرین قیاس ہے اور پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ظاہر الروایہ اور حسن بن زیاد کی روایت سے قطع نظر یہ بات بھی غور طلب ہے کہ محققین احناف نے کفو کو تسلیم نہیں کیا بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا کفو ہے اور ہر مسلمان دوسرے مسلمان سے شادی کر سکتا ہے(۶)

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نے اس تحقیق پر بس نہیں کیا بلکہ اپنے موقف کو مزید مدلل اور محکم کرنے کیلئے بحث کو آگے بڑھایا ہے اور اسکی تائید میں مزید اقوال فقہا کو بیان فرمایا ہے۔ لہذا علامہ کاسانی کے حوالے سے امام ابو الحسن کرخی کا نظریہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''امام کرخی نے کہا ہے کہ کفو نکاح کیلئے اصلا شرط نہیں ہے امام مالک، سفیان ثوری اور حسن بصری کا بھی یہی قول ہے انکی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوطیبہ نے بنی بیاضہ کو نکاح کا پیغام دیا انہوں نے نکاح کرنے سے انکار کردیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابوطیبہ سے نکاح کراؤ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو زمین میں بہت فتنہ وفساد ہوگا۔ اور روایت ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالی نے انصار کی ایک قوم کو نکاح کا پیغام دیا انہوں نے حضرت بلال کو رشتہ دینے سے انکار کردیا رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال سے فرمایا ان سے جاکے کہدو کہ رسول اللہ ﷺ تم کو حکم دیتے ہیں کہ میرے ساتھ اپنی لڑکی کا نکاح کرو حالانکہ حضرت بلال غیر کفو تھے اگر نکاح میں کفو شرط ہوتا تو آپ حضرت بلال کو غیر کفو میں نکاح کا حکم نہ دیتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ کسی عربی کو عجمی پر فضیلت حاصل نہیں ہے سوائے پرہیزگاری کے۔ اور یہ اس پر نص صریح ہے کہ نکاح میں کفائت شرط نہیں ہے۔ اگر کفائت شرط ہوتی تو اسکا سب سے زیادہ اعتبار قصاص میں کیا جاتا کیونکہ جتنی احتیاط قصاص کے باب میں ہوتی ہے اور کسی باب میں نہیں ہوتی اسکے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ اعلی شخص کو ادنی شخص کے بدلے میں قتل کردیا جاتا ہے(۷)

علامہ غلام رسول سعیدی مسئلہ کفائت پر علامہ بدرالدین عینی حنفی کی بیان کردہ تفصیل کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

''علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں کہ علماء کا کفائت میں اختلاف ہے امام مالک نے صرف دین میں کفائت کا اعتبار کیا ہے اور کہا ہے کہ تمام مسلمان ایک دوسرے کے کفو ہیں۔ اسلئے ایک قریشیہ کا غلام کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے حضرت عمر، حضرت ابن مسعود، عمر بن عبدالعزیز، ابن سیرین کا بھی یہی نظریہ ہے اور انکی دلیل ہے "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم'' اور حضرت سالم کی حدیث سے استدلال کیا ہے اور آپ نے فرمایا'' علیک بذات الدین'' نکاح میں دیندار سے رشتہ کرو حضرت عمر نے حضرت سلمان فارسی کو رشتہ دینے کا عزم کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے بنو بیاضہ! ابو ہند سے نکاح کرو انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم لڑکوں کا غلاموں سے نکاح کریں؟ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی "یا ایھا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثی'' اے لوگو میں نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا،، یہ حدیث ابوداؤد اور ترمذی میں ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' جب تم کو ایسے لوگ نکاح کا پیغام دیں جنکا دین اور اخلاق تمہیں پسند ہو تو انکے ساتھ نکاح کرو'' اسکے بعد علامہ عینی نے ان حدیث کو جمع کیا ہے جو کفو کی شرط میں پیش کی جاتی ہیں اور انکی سند پر بحث کی ہے بعض کو منقطع بعض کو منکر اور بعض کو موضوع قرار دیا ہے آخر میں لکھا ہے کہ کفائت کے اعتبار میں جو احادیث پیش کی جاتی ہیں ان میں اکثر حجت نہیں ہیں''(۸)

مسئلہ کفائت کی مدلل و محقق بحث ذکر کرنے کے بعد آخر میں علامہ غلام رسول سعیدی صاحب اسکا خلاصہ اور ساتھ ساتھ اپنا موقف واضح طور پر بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں'' کفائت کے مسئلہ میں ہم نے طویل بحث کی ہے اور قرآن مجید، احادیث مبارکہ، آثار اور مذاہب اربعہ کے فقہاء کے اقوال کو تفصیلاً بیان کیا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ نکاح میں کفو کا اصلاً اعتبار نہیں ہے۔ حضرت عمر، حضرت ابن مسعود، عمر بن عبدالعزیز، سفیان ثوری ابن سیرین امام مالک اور فقہائے احناف میں سے امام ابوالحسن کرخی، امام ابوبکر جصاص اور مشائخ عراق کا یہی مسلک ہے اور یہی حق اور صواب ہے۔ امام شافعی جمہور فقہائے احناف اور امام احمد کا مختار قول یہ ہے کہ غیر کفو میں نکاح کے لزوم کیلئے ولی کی اجازت شرط ہے اور بعض ضعیف الاسناد احادیث اور آثار سے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ لڑکی اور ولی کی رضا کے باوجود سادات کا نکاح غیر سادات سے حرام ہے یہ محض بے سند قول ہے اور اللہ اور رسول کے حلال کیے ہوئے کو حرام کرنے کے مترادف ہے ہم اس قول سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔ چونکہ اس زمانے میں اس مسئلہ میں بہت غلو کیا جا رہا ہے اور اگر سادات میں سے کوئی غیر شخص غیر کفو میں رشتہ کرے تو اسکو حرام، زنا اور نجانے کیا کچھ کہا جاتا رہا ہے اور اب تک کسی شخص نے اس مسئلہ پر تحقیق اور تفصیل سے قلم نہیں اٹھایا تھا تو میں نے توفیق الٰہی سے احکام شریعت کے احیاء کی خاطر اللہ اور اسکے رسول کے احکام کو دلائل سے واضح کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ میری اس

محنت کو قبول فرمائے اور اسکو میرے لئے توشہ آخرت کردے اس مسئلہ کی تحقیق میں ان صفحات پر جو سیاہی خرچ ہوئی ہے وہ یقیناً میرے گناہوں کی سیاہی سے کم ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ کے عفو و کرم کا یہی اسلوب اور طریقہ ہے کہ وہ نیکی کے ایک قطرے سے گناہوں کی اتنی سیاہی دھو ڈالتا ہے جسے دھونے کیلئے سمندروں کا تمام پانی بھی ناکافی ہوتا ہے۔(۹)

میں اگر یوں کہوں کہ علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کا یہ انداز تحقیق اور اکابر آئمہ فقہاء سے دلائل و براہین کی بنیاد پر اختلاف کی مومنانہ جرات اور آخر میں اپنی عجز و انکساری کا یہ حسین انداز ،ان کے اخلاص اور انکے عالمانہ ومحققانہ قد کا پتہ دیتا ہے تو غلط نہ ہوگا۔مزید برآں اس موضوع پر جب علامہ صاحب کو مزید انکشافات ہوئے تو آپ نے اس جلد کے آخر میں ضمیمہ کے طور پر اس بحث میں مزید اضافہ فرمایا ہے۔جو اہل تحقیق علم و دانش کے ذوق میں مزید اضافہ کا باعث ہے اگرچہ علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کا یہ موقف اس صدی کے اور بھی محققین نے اختیار کیا ھے لیکن تحقیق وانکشافات تفصیلات اور طرز استدلال کا یہ انداز ہمیں کہیں اور دکھائی نہیں دیتا۔

(۲)انعامی بانڈز کی تحقیق

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نے شرح صحیح مسلم میں بیوع کی بحث میں بیع تعاطی کے بعد انعامی بانڈز کے جواز وعدم جواز کی بحث بڑے شرح و بسط کے ساتھ بیان کی ھے چونکہ ملک پاکستان میں حکومت کی طرف سے انعامی بانڈز کے اجراء کا ایک برسوں سے چل رھا ھے اور بانڈز ھر دوسرے گھر میں ھوتا ھے جس سے اسکے کثرت استعمال کا پتہ چلتا ھے لہٰذا اس بات کی سخت ضرورت تھی کہ حوالے سے شرعی حکم مضبوط دلائل کے ساتھ واضح ہوتا کہ مسلمان ذہنی وقلبی اطمنان کے ساتھ حکومت کے اس سکیم سے فائدہ اٹھا سکیں اور اگر عدم جواز ثابت ہو تو حکومت پر اس کی حقیقت واضح کرکے اس کو بند کرنے کا مطالبہ کیا جاسکے۔مولانا فرماتے ہیں کہ مجھ سے چند دوست واحباب نے اس پر تحقیق کے لئے کہا تو میں نے اس کے لئے مودودی صاحب کے عدم جواز کے فتویٰ کو سامنے رکھا اور مکتبہ دیوبند کے نمائندہ دارالافتاء جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن سے ایک مفصل دستی فتویٰ منگوایا جسے شیخ مزمل حسین نے شیخ عبدالسلام کی تصدیق سے دارالافتاء جامعہ اسلامیہ کی مہر کے ساتھ جاری کیا۔(۱۰)

اصل فتویٰ کے متن کے لئے شرح صحیح مسلم کے جلد ۴ صفحہ ۱۱۲،۱۱۱ اور ۱۱۳ پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔راقم یہاں محض ان فتاویٰ کے ان نکات کو لکھ رہا ہے جن پر علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نے بحث کی ہے۔تاکہ آپ کی تحقیق سامنے لائی جاسکے۔

مولانا مودودی صاحب کے فتویٰ کا خلاصہ:

مولانا مودودی صاحب کے فتویٰ کے اہم نکات ہیں۔

- ☆ حکومت عوام کو بانڈز دے کر اس کے عوض ان سے قرض لیتی ہے۔
- ☆ عوام کی رقم سے سود جمع کرکے قرعہ اندازی کے ذریعے چند لوگوں میں تقسیم کردیا جاتا ہے۔
- ☆ اس میں سود بھی ہے اور روح قمار بھی۔
- ☆ چونکہ قرض دینے والا لالچ دے کر لوگوں کو قرض دینے پر آمادہ کرتا ہے اس لیے اسمیں سودی لین دین کی نیت ہوتی ہے۔

ان مذکورہ وجوہات کی بناء پر مودودی صاحب کے نزدیک بانڈز کا استعمال اور اس پر ملنے والا انعام حرام ہے۔

علمائے دیوبند کا موقف:

جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن سے جاری ہونے والے دستی فتوی کے اہم نکات درج ذیل ہیں۔

- ☆ بنک عوام سے رقم لیکر بانڈز دیتا ہے اور اس رقم کو بینک کسی شخص یا ادارے کو سودی قرض دیتا ہے اور اس پر سود کی جو رقم موصول ہوتی ہے بینک اس میں سے کچھ رقم رکھ کر باقی انعام کے نام پر لوگوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔
- ☆ "کل قرض جر نفعا فھو حرام" ہر وہ قرض جس کے ذریعہ نفع کمایا جائے وہ حرام ہے۔
- ☆ حامل بونڈز چونکہ نفع کی شرط نہیں لگاتا لہذا فقہ کے اس قاعدے کی رو سے کہ "اگر مقروض بطور انعام کے قرض خواہ کو اصل قرض پر کچھ اضافہ کر کے دے تو جائز ہے" جائز نہیں ہو سکتا اس لئے کہ فقہ کا ایک اصول ہے کہ "المعروف کا لمشروط" کہ جو چیز معروف ہو وہ مشروط کی طرح ہے اگر چہ بانڈز ہولڈر نفع کی شرط تو نہیں لگاتا لیکن وہ نفع کا متقاضی ہوتا ہے اگر ایسا نہ ہو تو کوئی انعامی بانڈز ہی نہ خریدے۔
- ☆ بالفرض بینک بانڈز کی رقم سودی کام پر نہ لگائے اور اس سے جائز کاروبار کرے تو اسکا نفع بھی لوگوں کیلئے جائز نہیں ہو سکتا اس لئے کہ مشارکت نفع و نقصان کی بنیاد پر جائز ہوتا ہے یہاں تو نقصان کا اندیشہ ہی نہیں ہے لہذا انعامی بانڈز کا انعام ہر اعتبار سے ناجائز و حرام ہے اگر چہ بینک اسے انعام ہی کہتا رہے۔ زہر کو اگر تریاق کہا جائے تو زہر ہی رہتا ہے تریاق نہیں بنتا۔

مولانا غلام رسول سعیدی صاحب کی تحقیق

مولانا غلام رسول سعیدی صاحب نے ان صاحبان کے فتوی کو من وعن نقل کرنے کے بعد ایک ایک شق پر محققانہ بحث کی ہے اور اپنا موقف بیان کیا ہے کہ ہمارے نزدیک انعامی بانڈز کی بیع جائز ہے اور حکومت کی طرف سے اسے خریدنے کی ترغیب کے لئے جو انعام جاری کیا جاتا ہے وہ بھی جائز ہے کیونکہ اس انعام پر ربوا یا قمار کی تعریف صادق نہیں آتی اور مولانا مودودی نے اور شیخ مزمل نے اس پر موضوعی انداز میں گفتگو کی ہے انہوں نے اس کو ناجائز فرض کر لیا پھر اس کو زبردستی قمار یا ربوا کے معنی پہنا کر ناجائز قرار دے دیا ہے۔(۱۱)

اس کے بعد علامہ سعیدی صاحب نے ربوالنسیہ اور ربوالفضل کی تعریفات بیان کی ہیں اور ثابت کیا ہے کہ یہ انعام ربوالفضل اسلئے نہیں ہو سکتا کہ امام اعظم کے نزدیک ربوالفضل کی حرمت کی علت جنس میں اتحاد اور قدر معروف (کیل یا وزن) میں زیادتی ہے اور یہاں جنس ایک نہیں ہے کیونکہ انعامی بانڈز کی بیع کرنسی نوٹوں کے عوض ہوتی ہے انعامی بانڈز کے عوض نہیں ہوتی اور انکی جنس الگ الگ ہے۔ اسکے علاوہ جو دیگر ائمہ ہیں انکی ربوالفضل کی شرائط کے تحت انعامی بانڈز اسکے زمرے میں نہیں آتا رہا ربوالنسیہ تو تمام ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ جس قرض میں معین مدت کے بعد اصل رقم سے زائد لینے کی شرط رکھی جائے اور زائد کی مقدار معین ہو تو وہ ربوالنسیہ ہے قرآن مجید نے اسی کو حرام قرار دیا ہے اور سود کی یہ قسم حرام قطعی ہے اور انعامی بانڈز میں چونکہ مدت

کے عوض اضافہ شرط نہیں ہوتی اسلئے اس پر ربوالنسیہ کی تعریف صادق نہیں آتی اور بغیر شرط لگائے اگر مقروض، قرض خواہ کو اصل رقم سے کچھ زائد دے تو یہ جائز ہے۔لہذا بانڈ ز کی یہ انعامی رقم نہ تو ربوالفضل اور نہ ہی ربوالنسیہ۔

یاد رہے کہ ہم نے مذکورہ بالا سطور میں علامہ سعیدی صاحب کی تحقیق کا صرف خلاصہ بیان کیا ہے۔اگر چہ آپ نے بڑی تفصیل کے ساتھ ائمہ اور فقہاء کی تعریفات کو انتہائی تحقیق کے ساتھ لکھ کر بحث کی ہے۔

مولانا مودودی اور شیخ عزل کے فتوی میں ایک بات قدر مشترک ہے کہ ان دونوں کے نزدیک لینے والا، حامل بانڈز سے عوض کی رقم بطور ''قرض'' لیتا ہے۔ہاں فرق صرف یہ ہے کہ مولانا مودودی نے رقم لینے والے کو ''حکومت'' سے تعبیر کیا ہے اور شیخ عزل صاحب نے ''بینک'' کو کہا ہے۔اولاً اس حوالے سے کہ یہ قرض ہے یا نہیں، علامہ غلام رسول سعیدی نے بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ ''قرض کے لئے ضروری ہے کہ ایک مدت معین کے لئے رقم لی جائے اور اگر اس پر سود دینا ہے تو اس مدت کے بعد سود دیا جائے۔انعامی بانڈ ز کا اول تو عنوان ہی خرید و فروخت ہے قرض نہیں ہے۔دوم اس کے لئے لین دین میں مدت کا تعین نہیں ہوتا کہ انعامی بانڈ ز حاصل کرنے کیلئے اتنی مدت تک بانڈ ز رکھنا ضروری ہے۔یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے اس لئے انعامی بانڈ ز کی خریداری کو قرض قرار دینا صحیح نہیں ہے۔آدمی بغیر تعیین مدت کے بانڈ ز خریدتا ہے اور جب چاہے بغیر کسی نقصان یا زیادتی کے بینک کو بانڈ ز واپس کرکے اپنے پیسے لے لیتا ہے،یہ قرض کہاں سے ہوگا؟۔(۱۲) اور ثانیاً اس حوالے سے کہ بانڈ ز کے عوض رقم لینے والا بینک ہے یا حکومت مولانا سعیدی صاحب نے شیخ عزل صاحب کا محاکمہ فرمایا ہے کہ ''یہ بات انعامی بانڈ ز کے طریق کار کے بارے میں صحیح معلومات نہ ہونے پر مبنی ہے۔انعامی بانڈ ز کو فروخت کرنے والی حکومت ہے نہ کہ بینک۔حکومت انعامی بانڈ ز کو بینک کے ذریعے فروخت کرتی ہے اس بناء پر ان لوگوں نے سادہ لوحی سے یہ سمجھا کہ انعامی بانڈ ز کی بیع وشراء میں بینک فریق ہے حالانکہ بینک صرف واسطہ ہے اور فریق حکومت ہے۔''(۱۳)

مولانا مودودی صاحب کا یہ کہنا کہ اس میں روح قمار موجود ہے اسکا رد کرتے ہوئے مولانا غلام رسول سعیدی صاحب رقمطراز ہیں کہ ''سید مودودی لکھتے ہیں کہ بانڈز کے انعامات کی تقسیم لاٹری کی طرز پر ہوتی ہے یہ عینہ قمار تو نہیں ہے لیکن اس میں قمار کی روح ضرور موجود ہے۔آیئے پہلے یہ دیکھیں کہ قمار (جوا) کیا چیز ہے پھر اسکا فیصلہ ہوگا کہ اس میں قمار کی روح موجود ہے یا قمار کا جسم؟۔'' اسکے بعد علامہ سعیدی صاحب نے بڑی تفصیل کے ساتھ کتاب التعریفات سے میر سید شریف، ردالمختار سے علامہ ابن عابدین شامی، المنجد سے لوئیس معلوف الیسوعی، احکام القرآن سے امام رازی اس کے علاوہ علامہ قرطبی، علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی، علامہ زبیدی، علامہ کی کی بیان کردہ قمار کی لغوی و اصطلاحی تعریفات و تصریحات بیان کی ہیں جسکا خلاصہ یہ ہے کہ جس میں جانبین سے شرط ہو یعنی جس عقد یا کھیل میں ہر فریق کو فائدہ یا نقصان لازم ہو وہ قمار ہے۔نیز فقہائے احناف نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ گھوڑ دوڑ، شتر سواری، پیدل چلنے اور تیر اندازی میں ایک جانب سے نفع یا نقصان کی شرط ایک جانب سے بھی جائز نہیں ہے اور یہ بھی حکماً قمار ہے اور نا جائز ہے۔اس کے بعد آپ آگے چل کے لکھتے ہیں کہ ''قمار کی تعریف معلوم ہو جانے کے بعد یہ واضح ہو گیا کہ انعامی بانڈ ز کے انعامات پر قمار بالکل نہیں ہے کیونکہ اس میں شرط بالکل نہیں ہے دونوں جانبوں سے نہ ایک جانب سے۔بانڈ ز

کی خریداری کیلئے شرط ہے نہ فروخت کے لئے نہ خریدنے اور بیچنے والے دونوں فریقوں میں سے کسی ایک کو بھی نفع یا نقصان لازم نہیں ہے خریدار جتنے روپوں کا بانڈ خریدتا ہے جب چاہے اتنے روپوں میں اس کو فروخت کر دیتا ہے اور حکومت جو بانڈز پر انعام دیتی ہے وہ محض تبرع ہیں جو محض بانڈز کی ترغیب کے لئے جاری کئے جاتے ہیں جیسے بعض کمپنیاں شربت کی بوتل کے ساتھ گلاس مفت دے دیتی ہیں یا بعض ٹوتھ پیسٹ کمپنیاں دو ٹوتھ پیسٹ خریدنے پر تیسری مفت دے دیتی ہیں بعض کمپنیاں خریداری پر ڈائری اور کیلنڈر دیتی ہیں یہ تمام چیزیں لازم یا کسی استحقاق کا نتیجہ نہیں ہیں۔ اسی طرح حکومت خریداری کا شوق بڑھانے یا ترغیب دلانے کیلئے انعامات جاری کرتی ہے اس میں کوئی شرط ہے نہ خریدنے والے کا کوئی استحقاق ہے کیونکہ یہ صرف بیع ہے نہ قرض ہے نہ شراکت۔ اس لئے اس میں سود کا شائبہ ہے نہ قمار کا''(۱۴)

کیا انعام کا رواج خریدار کے شرط لگانے کے مترادف ہے اور اس حوالے سے بیان کیا جانے والا قاعدہ ''المعروف کالمشروط'' کہ جو چیز معروف ہو وہ مشروط کے قائم مقام ہے، کے متعلق مولانا غلام رسول سعیدی فرماتے ہیں کہ یہ دلیل انتہائی سطحی ہے حکومت کسی خاص خریدار کو اصل رقم سے کچھ زائد ادا کرتی ہے تو پھر بانڈ خریدتے وقت خریدار شرط لگاتا یا نہ لگاتا عرف کی وجہ سے اسکی شرط تسلیم کی جاتی اور زیادتی سود ہوتی۔ اسکی مثال یہ ہے کہ سیونگ یا ڈیفنس سرٹیفکٹ کی رقم پانچ یا سات سال میں دگنی کر دی جاتی ہے اور یہ چیز معروف ہے اس لئے جو شخص بھی سیونگ اور ڈیفنس سرٹیفکٹ خریدتا ہے وہ اس عرف کی وجہ سے پانچ یا سات سال میں رقم دگنی لینے کی شرط کے ساتھ خریدتا ہے۔ اور وہ اصل رقم سے جس قدر زائد لیگا وہ سود ہوگی۔ اسکے برخلاف انعامی بانڈز میں ایسا نہیں ہے کہ ہر خریدنے والا حکماً اس شرط کے ساتھ بانڈ خرید رہا ہے کہ اس کو لازماً انعام ملے گا۔ کیونکہ حکومت ہر خریدار کو انعام دیتی ہے نہ اس کا رواج ہے اور نہ یہ عرف ہے اور جو چیز عرف نہیں وہ حکماً شرط بھی نہیں بن سکتی۔ البتہ عرف یہ ہے کہ لاکھوں خریداروں میں سے چند کو انعام ملتا ہے۔ اور ہر خریدار انعام کی امید میں بانڈ خریدتا ہے اور ظاہر ہے کہ انعام کی امید انعام کی شرط کے مترادف اور قائم مقام نہیں ہے''(۱۵)

مولانا مودودی صاحب نے اپنے فتویٰ میں لکھا ہے کہ جو شخص انعامی بانڈ خریدتا ہے اس میں نیت سودی لین دین ہی کی ہوتی ہے اس کے جواب میں مولانا غلام رسول سعیدی صاحب لکھتے ہیں کہ حکومت یہ انعام سود کے عنوان سے نہیں دیتی نہ اس پر سود کی تعریف صادق آتی ہے پھر تمام مسلمانوں کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ سود جیسی حرام چیز کے لین دین کی نیت کرتے ہیں، مسلمانوں کے بارے میں سوئے ظن کے سوا اور کچھ نہیں۔ نیت مخفی اور غیب ہے پھر ان تمام مسلمانوں کی نیت کے بارے میں ایسا حکم لگانا جس کا تعلق علم غیب سے ہو نہایت حیرت انگیز ہے۔(۱۶)

یہ مولانا غلام رسول سعیدی صاحب کی بانڈز اور اس پر نکلنے والے انعام کے جواز کے حوالے سے تحقیق کا لب لباب اور خلاصہ ہے جو کہ ایک مناظرانہ انداز کی تحقیق ہے اس کو تفصیل کے ساتھ آپکی تصنیف شرح صحیح مسلم جلد چہارم میں دیکھا جا سکتا ہے آپکی اس تحقیق سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ آپ نے کس قدر نقد و بحث کے بعد دلائل کے ساتھ اس کے جواز کو ثابت کیا ہے آپ ہی کی تحقیق کی بدولت ملک پاکستان کے طول و عرض میں سینکڑوں علماء و فقہاء کرام نے آپکی اقتداء میں انعامی بانڈز کے جواز پر فتاویٰ

صادر فرمائے ہیں۔ جس نے امت مسلمہ بالخصوص ملک پاکستان میں کروڑوں مسلمان جو انعامی بانڈز کی خرید و فروخت کرتے ہیں ان کے دلوں میں اطمینان پیدا کر دیا کہ ان کا یہ اقدام بالکل جائز و حلال ہے۔ شریعت اسلامیہ کی تعلیمات کے منافی نہیں ہے۔

۳ ندائے یا محمد ﷺ

یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نام مبارک ساتھ پکارا جا سکتا ہے کہ نہیں جبکہ مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی نے اپنے رسالہ "تجلی الیقین" میں اسکو سختی سے منع فرمایا ہے اور حرام قرار دیا ہے۔ (۱۷)

شارح مشکوٰۃ مفتی احمد یار خان نعیمی حدیث جبریل کی شرح میں "قال یا محمد اخبرنی عن الاسلام" کے تحت لکھتے ہیں کہ "خیال رہے کہ اب حضور کو صرف "یا محمد" کہہ کر پکارنا حرام ہے۔ رب فرماتا ہے۔ لاتجعلوا دعاء الرسول (النور: ۶۳) تم رسول کے پکارنے کو ایسا نہ بنالو جیسا کہ تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ یہ واقعہ غالباً اس آیت کے نزول سے پہلے ہوا یا فرشتے اس آیت سے علیحدہ ہیں، مرقاۃ۔ (۱۸)

مفتی احمد یار خان نعیمی ایک اور مقام پر فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضور کو نام لیکر نہ پکارا، یا ایھا النبی، یا ایھا الرسول سے پکارا۔ حضور انور ﷺ کو "یا ابا القاسم" کہکر پکار سکتے ہیں یہ حضور کا لقب ہے جیسے رسول اللہ، نبی اللہ، مگر یا محمد کہہ کر نہیں پکار سکتے ہیں کہ محمد حضور کا نام شریف ہے دیکھو مرقات (۱۹)

علامہ سعیدی صاحب کا موقف

ندائے یا محمد ﷺ کے متعلق مولانا غلام رسول سعیدی صاحب کا موقف یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو "یا محمد" کہہ کر ندا کرنا جائز ہے کیونکہ ندا معنیٰ ہے منادی کو اپنی طرف متوجہ کرنا ہم "یا محمد" کہہ کر رسول اللہ ﷺ کی توجہ حاصل کرنے قصد کرتے ہیں۔ نیز محمد آپ ﷺ کا نام بھی ہے اور آپ کی صفت بھی سو اگر اس لحاظ سے آپ کی صفت کا قصد کر کے ندا کی جائے تو کوئی اشکال ہی نہیں ہے، اور کبھی ندا کسی کو یاد کرنے کیلئے بھی کی جاتی ہے۔ لہذا "یا محمد" اگر بطور ذکر کہا جائے یا اظہار مسرت کیلئے نعرہ لگاتے ہوئے "یا محمد" کہا جائے تو یہ بھی جائز ہے۔

آپ کے بیان کردہ ماخذ و مراجع

شرح صحیح مسلم میں اس مسئلہ پر دو مقام پر بحث کی گئی ہے۔ ساتویں جلد میں چودہ ماخذ کی روشنی میں ۱۰ صفحات پر اور پہلی جلد میں ۲۵ ماخذ کی روشنی میں ۱۲ صفحات پر۔ مولانا نے جن ماخذ کی روشنی میں اپنے اجتہاد کو تقویت دی ہے وہ کثیر ہونے کے ساتھ ساتھ معتمد اور مستند بھی ہیں ملاحظہ فرمائے۔

القرآن الحکیم تفسیر کبیر (امام فخر الدین رازی) صحیح بخاری (امام محمد بن اسماعیل بخاری) صحیح مسلم (امام مسلم بن حجاج قشیری) جامع ترمذی (امام ابو عیسیٰ ترمذی) سنن ابن ماجہ (امام ابو عبد اللہ ابن ماجہ) مسند احمد (امام احمد بن حنبل) الادب المفرد (امام محمد بن اسماعیل بخاری) مسند ابو یعلی (حافظ احمد بن علی التمیمی) مصنف عبد الرزاق (امام عبد الرزاق بن ہمام) کنز العمال (علامہ علی متقی ہندی) سنن کبری (امام احمد بیہقی) اتحاف السادات المتقین (علامہ سید محمد مرتضیٰ حسین زبیدی) المطالب العالیہ (امام

ابن حجر عسقلانی) مسند ابو عوانہ (امام ابو عوانہ اسفرائنی) العلل المتناہیہ (امام ابن جوزی) البدایہ والنہایہ (حافظ عماد الدین ابن کثیر) الکامل فی التاریخ (علامہ ابو الحسن ابن اثیر) مرقاۃ المفاتیح (علامہ علی بن سلطان محمد القاری) تجلی الیقین (امام احمد رضا خان محدث بریلوی) روح المعانی (علامہ السید محمود آلوسی) الشفا (علامہ قاضی عیاض مالکی) مجموع الفتاویٰ (امام ابن تیمیہ) جلاء الافہام (ابن قیم جوزی) تحفۃ الاحوذی (شیخ عبد الرحمن مبارکپوری) فتح الملہم (مولانا شبیر احمد عثمانی) اس بحث میں ان ماخذ کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا نے کس قدر تحقیق کے ساتھ اپنی مجتہدانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنے موقف کو مدلل و مبرھن کیا ہے۔

علامہ سعیدی صاحب کا استدلال

علماء مانعین فرماتے ہیں کہ اس آیت مبارکہ "لا تجعلو دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا" میں "دعاء" کا معنی بلانا اور پکارنا اور اسکی "رسول" کی طرف اضافت، اضافت الی المفعول ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کو پکارنا اس طرح نہ بنالو جس طرح تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ حضرت سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ فرماتے ہیں کہ لوگ نبی اکرم ﷺ کو یا محمد اور یا ابا القاسم کہا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی تعظیم کے لئے ان کو اس سے منع فرمایا اور لوگ یا نبی اللہ، یا رسول اللہ کہا کرتے تھے۔"

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کا بھی مستدل یہی آیت ہے لیکن آپ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں لفظ دعا کی اضافت "رسول" کی طرف اضافت الی الفاعل ہے معنی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تمہیں بلائیں تو ان کے بلانے کو تم ایسا نہ بنالو جیسا تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔ مولانا کے نزدیک یہی صورت نظم آیت کے زیادہ قریب ہے علامہ سید محمود آلوسی حنفی اور امام فخر الدین رازی نے اسی صورت کو "نظم آیت کے زیادہ قریب قرار دیا ہے"۔ (۲۰)

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کے دیگر دلائل احادیث مبارکہ سے ہیں جن میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، انبیائے کرام علیہم السلام، سیدنا جبرئیل امین اور خود اللہ عزوجل کا "یا محمد" کہہ کر ندا کرنا ثابت ہے۔ جن میں سے چند ہم یہاں نقل کر دیتے ہیں۔

چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو مرد اور عورتیں گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے۔ بچے اور خدام راستوں میں پھیل گئے اور نعرہ لگا رہے تھے "یا محمد یا رسول اللہ، یا محمد یا رسول اللہ"

امام ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں حافظ ابن اثیر نے الکامل میں نقل فرمایا کہ جنگ یمامہ میں مسلمان وہ نعرے لگا رہے تھے جو انکا شعار تھا "وكان شعارهم يومئذ يامحمداه" اور انکا شعار اس دن "یا محمداہ" کہنا تھا۔ (۲۱)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما کا پیر سن ہو گیا، کسی شخص نے کہا آپ اسکو یاد کیجئے جو آپکو سب سے زیادہ محبوب ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما نے کہا یا محمد (ﷺ) (۲۲)

خود رسول اللہ ﷺ نے ایک نابینا صحابی کو یہ دعا تعلیم فرمائی۔

اللّٰھم انی اسئلک واتوجہ الیک بمحمد نبی الرحمۃ یامحمد انی قد توجھت بک الی ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی اللّٰھم فشفعہ فی۔

"اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور محمد نبی رحمت ﷺ کے وسیلے سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں اے محمد ﷺ میں آپ کے وسیلے سے اس حاجت میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا ہوں تاکہ میری یہ حاجت پوری ہو اے اللہ! نبی ﷺ کو میرے لیے شفاعت کرنے والا بنادے۔ اس حدیث کو شیخ ابن تیمیہ نے جامع ترمذی، سنن نسائی اور متعدد کتب حدیث کے حوالوں سے نقل کیا ہے۔(۲۳)

حضرت سیدنا موسیٰ (صحیح بخاری ج۱۱۲۱) اور سیدنا ابراہیم (کنز العمال جلد۲، ص۲۵۲) نے معراج کے موقع پر یا محمد کہا اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا (قرب قیامت میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے) "لئن قام علی قبری فقال یامحمد لا جیبہ" اگر وہ میری قبر کے پاس کھڑے ہو کر یا محمد کہیں گے تو میں ضرور کھڑے ہو کر ان کو جواب دوں گا۔(۲۴)

امام احمد رضا خان فاضل بریلوی نے بھی تجلی الیقین اور انوار الانتباہ میں بکثرت احادیث وآثار اور اقوال علماء ذکر فرمائے ہیں جن سے ندائے یا محمد کا جواز ثابت ہے۔(۲۵)

نیز متعدد احادیث قدسیہ سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو یا محمد کہہ کر ندا فرمائی اس سلسلہ میں علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نے صحیحین سے لیکر تجلی الیقین تک گیارہ ماخذ کی روشنی میں ۱۲۰ احادیث قدسیہ تحریر فرمائی ہیں اور ان تمام دلائل وبراہین کی روشنی میں اپنے نقطۂ نظر کو پایۂ ثبوت تک پہنچایا ہے اور علماء مانعین (رحمہم اللہ تعالیٰ) سے بہت ادب اور احترام کے ساتھ اختلاف فرمایا ہے۔

ندائے یا محمد ﷺ پر شارح کی تفصیلی اور تحقیقی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو نام پاک کے ساتھ بلانا ممنوع ہے۔ ہاں آپ کو نام پاک کے ساتھ کسی مصیبت میں یا کسی اور وجہ کے ساتھ پکارنا، یا آپ کو یاد کرنا یا خوشی میں آپ کا نعرہ لگانا، سو وہ شرعاً جائز اور درست ہے جیسا کہ بیان کردہ دلائل سے واضح اور ظاہر ہو چکا ہے(۲۶)

(۴) قبضہ داڑھی کا مسئلہ

یہ مسئلہ بھی شارح کے مجتہدات سے متعلق ہے مشہور موقف کے مطابق داڑھی کا کم از کم ایک مشت تک ہونا واجب اور ضروری ہے اس سے ایک آدھا انگل بھی کم کرنا مکروہ تحریمی ہے شارح مشکوٰۃ مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں چار انگشت واجب اس سے قدرے زیادہ جائز ہے بہت زیادہ مکروہ ہے۔ چار انگشت سے کم کرنا سخت منع اور منڈوانا حرام نیز ہندؤوں اور عیسائیوں کا طریقہ ہے۔(۲۷)

صاحب نزہۃ القاری مفتی شریف الحق امجدی بھی ایک مشت داڑھی کو واجب قرار دیتے ہیں چنانچہ حدیث رسول ﷺ مشرکین کی مخالفت کرو، داڑھیوں کو وافر رکھو، مونچھوں کو پست کراؤ کے تحت آپ لکھتے ہیں۔

''اس حدیث میں مشرکین سے مراد مجوس ہیں اسلئے کہ وہی ڈاڑھی کترواتے یا منڈواتے تھے "وفروا" اور بعض حدیثوں میں "واعفوا" وارد ہے۔ امر وجوب کیلئے ہے لہذا ان حدیثوں سے ثابت ہوا کہ ڈاڑھی کا بڑھانا واجب ہے۔ حدیث کا اطلاق اس کا مقتضی ہے کہ ڈاڑھی کتنی بھی بڑھ جائے قطعاً نہ کاٹی جائے لیکن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ وہ ایک مشت سے زائد ڈاڑھی کو کاٹتے تھے اور یہ "مالا یدرک بالسماع" ہے اس لئے ملحق بالمرفوع ہے یعنی اس پر محمول ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے سن کر ہی اس پر عمل کیا ہے اس لئے "اعفوا اللحی" والی حدیث کی اس سے تخصیص درست ہے تو حاصل یہ نکلا کہ ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے اسی لئے امام ابن الہمام نے فتح القدیر میں فرمایا "اما الاخذ منها وهي دون ذالک فلم يبحه احد" داڑھی اگر ایک مٹھی سے کم ہو تو اس کے کاٹنے کو کسی نے جائز نہیں کہا۔(۴۸)

علامہ سعیدی صاحب کا موقف

شارح نے اس عنوان پر دو جگہ مفصل بحث فرمائی ہے۔ جلد اول میں ۱۲ ماخذ کی روشنی میں آٹھ صفحات پر اور جلد ششم میں ۵۳ ماخذ کی روشنی میں ۸۱ صفحات پر بحث کی گئی ہے۔ علامہ سعیدی صاحب کا موقف اس سلسلے میں یہ ہے کہ "مطلقاً داڑھی رکھنا واجب ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے داڑھی منڈانے کی مخالفت کا حکم دیا ہے اور چونکہ احکام میں عرف و عادت کا اعتبار ہوتا ہے اس لیے داڑھی کے تحقیق کیلئے ڈاڑھی (کم از کم) اتنی ہونی چاہیے جس پر عرف میں داڑھی کا اطلاق ہو سکے خواہ وہ ایک آدھ انگل کم ہو معمولی اور خفیف سی داڑھی یا خشخشی داڑھی پر عرف اور عادت میں مطلقاً داڑھی کا اطلاق نہیں ہوتا۔ انگوٹھی خشخشی داڑھی یا فرنچ کٹ داڑھی کہتے ہیں۔ لہذا ایسی داڑھی رکھنے سے داڑھی کے حکم پر عمل نہیں ہوگا۔ اور ایک مشت تک داڑھی رکھنا فقہاء کرام کی تصریحات کے مطابق سنت ہے اور بظاہر یہ سنت غیر مؤکدہ ہے کیونکہ قبضہ کی تاکید کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث منقول نہیں ہے تاہم عام مسلمانوں کو عموماً اور علماء و مشائخ کو خصوصاً لمبی ڈاڑھی رکھنا چاہیے۔ کیونکہ نبی ﷺ سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ صورت اور سیرت میں آپ کی کامل اتباع کی جائے، اس مسئلے میں افراط و تفریط سے بچنا چاہیے۔ داڑھی دراز اور گھنی رکھنی چاہیے۔ لیکن اگر کسی مسلمان کی داڑھی قبضہ سے کم ہو تو اس کو فاسق معلن کہنے شریعت میں مداخلت کرنے اور مسلمان کی عزت اور حرمت کو پامال کرنے سے گریز کرنا چاہیے"(۴۹)

علامہ سعیدی صاحب کی تحقیق اور دلائل

علامہ سعیدی صاحب کی تحقیق کے مطابق ڈاڑھی میں ایک مشت کو سب سے پہلے شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے واجب اور ضروری قرار دیا، جبکہ تمام فقہاء احناف نے قبضہ (ایک مشت داڑھی) کو سنت لکھا ہے۔ اس سلسلے میں سعیدی صاحب نے امام اعظم سے لیکر علامہ شامی تک درج ذیل گیارہ مستند اور معتمد کتب کا حوالہ دیا ہے ہدایہ، فتح القدیر، بنایہ فی شرح الہدایہ، البحر الرائق، تبیین الحقائق، حاشیۃ الدرر والغرر، مراۃ المفاتیح، درمختار، فتاوی شامی، حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی، فتاوی عالم

گیری۔ان مذکورہ تمام کتب میں یہ ہے کہ داڑھی میں قدر مسنون قبضہ (ایک مشت) ہے۔ علامہ علی قاری حنفی علیہ الرحمہ نے مسند امام اعظم کی شرح میں قبضہ کو مستحب قرار دیا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے فقہاء کے "قدر مسنون" فرمانے میں یہ تاویل کی ہے کہ فقہاء کا قبضہ کو سنت قرار دینے کا معنی یہ ہے کہ قبضہ کا وجوب سنت سے ثابت ہے۔شارح کے نزدیک یہ تاویل درست نہیں ہے۔ کیونکہ فقہاء کی عبارات میں تاویل اس وقت درست ہوتی جب ڈاڑھی میں ایک مشت کا وجوب کسی دلیل سے ثابت ہوتا۔اور اس کے باوجود فقہاء نے اس کو سنت فرمایا ہوتا۔ جبکہ یہاں معاملہ یہ ہے کہ ڈاڑھی میں قبضہ کا وجوب کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے بلکہ اسکا سنت ہونا دلائل سے ثابت ہے۔لہذا عبارات فقہاء میں تاویل نہیں کی جائے گی۔

علامہ سعیدی صاحب نے دوران بحث مختلف اشکالات کے جوابات بھی دیئے ہیں مثلاً یہ اشکال کہ فقہاء کرام کا داڑھی میں قبضہ کی مقدار کو سنت کہنا ایسا ہی ہے جیسے نماز عید کو باوجود واجب ہونے کے سنت کہا گیا ہے (ای وجوبہ ثبت بالسنۃ)۔

علامہ سعیدی صاحب نے بہت تفصیل کے ساتھ اس اشکال کا جواب دیا ہے، جسکا خلاصہ یہ ہے کہ اولاً نماز عید کے متعلق امام اعظم علیہ الرحمہ سے دو روایات منقول ہیں، ایک میں نماز عید کو واجب کہا ہے اور ایک میں سنت، صاحب ہدایہ وغیرہ نے واجب کے قول کو ترجیح دی ہے اور سنت والی روایت کی توجیہ یہ کی کہ اسکا ثبوت سنت سے ہے۔سو اگر داڑھی میں قبضہ سے متعلق بھی امام اعظم علیہ الرحمہ کے دو قول ہوتے (ایک وجوب کا اور ایک سنت کا) تب مسئلہ زیر بحث کا قیاس اس پر درست ہوتا۔اس کے برخلاف امام اعظم سے لیکر علامہ شامی تک تمام فقہاء نے قبضہ کو سنت یا مستحب لکھا ہے۔

ثانیاً: نماز عید کو متاخرین فقہاء نے بالاتفاق واجب نہیں کہا، بعض نے اس کو سنت مؤکدہ کہا ہے اور بعض نے سنت کے قول کو ترجیح دی ہے اور بعض نے کہا ان میں کوئی تعارض نہیں ہے، کیونکہ سنت سے مراد مؤکدہ ہے اور مؤکدہ واجب ہے۔لہذا زیر بحث مسئلہ کو مسئلہ عید پر ہرگز قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

ایک اشکال یہ ہے کہ داڑھی میں قبضہ کو واجب قرار دیا جائے تو داڑھی کی اہمیت ختم ہو جائے گی اور لوگ ڈاڑھی کو قبضہ سے کم کرنے لگیں گے۔اسکے جواب میں علامہ سعیدی صاحب لکھتے ہیں کہ اولاً: اس طرح تو تمام سنن اور مستحبات کو واجب قرار دینا چاہئے ورنہ ان کی اہمیت کم ہو جائے گی اور لوگ ان پر عمل کرنا چھوڑ دیں گے۔

ثانیاً: فرض پر عمل، خوف خدا سے ہوتا ہے اور سنت پر عمل، محبت رسول ﷺ سے ہوتا ہے تو بجائے اسکے کہ ہم احکام شرع میں ترمیم کریں لوگوں میں خوف خدا اور محبت رسول ﷺ کا جذبہ بیدار کرنا چاہئے۔ تاکہ لوگ فرائض وسنن پر عمل کریں۔ لمبی ڈاڑھی رکھنے کا مدار قبضہ کے واجب قرار دیئے جانے پر نہیں ہے بلکہ اسکا مدار رسول اللہ ﷺ کی محبت ہے۔(۳۰)

مسئلہ زیر بحث کے متعلق مختلف گوشوں اور پہلوؤں پر تفصیلی گفتگو کے بعد اپنے معمول اور اسلوب کے مطابق آخر میں لکھتے ہیں "کثیر مطالعہ اور عمیق غور وفکر کے بعد احادیث، آثار اور جمہور فقہاء کے اقوال سے ہم نے یہی سمجھا اگر یہ حق وصواب ہے تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی جانب سے القاء اور فیضان ہے اور اگر یہ غلط اور باطل ہے تو یہ میری فکر کی غلطی اور مطالعہ کی کمی ہے۔ اللہ اور اس کا رسول ﷺ اس سے بری ہیں" (۳۱)

مفتی اسمٰعیل نورانی آپ کے اس انداز پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہر تحقیق کے آخر میں شارح کا یہی اسلوب رہا ہے کہ آپ اپنے موقف کی تمام تر صحت وصداقت کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور خطا اور نسیان کا ذمہ دار اپنی ذات، اپنی فکر اور اپنے مطالعہ کو ٹھہراتے ہیں۔ نیز اس راہ تحقیق میں اسلاف کی محبت وعقیدت کو بھی اظہار حق سے مانع نہیں بننے دیتے۔ بلکہ تمام محبتوں کے کمال اعتراف کے ساتھ ان سے اختلاف رائے رکھتے ہوئے اپنے مافی الضمیر کو الفاظ کے قالب میں ڈھال کر سطح قرطاس پر پھیلا دیتے ہیں، ایک محتاط اور وسیع الظرف محقق کی یہی شان ہوتی ہے۔'' (۳۲)

راقم ایک شبہ کا ازالہ دور کرنا چاہتا ہے۔ وہ یہ کہ علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کی تحقیق اگر چہ قبضہ کے حوالے سے عدم وجوب کی ہے۔ لیکن انہوں نے ساتھ ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ عام مسلمانوں کو عموماً اور علماء مشائخ کو خصوصاً لمبی داڑھی رکھنی چاہیئے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کی داڑھی مبارک گھنی تھی اور سینہ اقدس کو بھر لیتی تھی اور نبی اکرم ﷺ سے محبت کا تقاضہ یہ کہ صورت اور سیرت میں آپکی کامل اتباع کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ قبضہ کے عدم وجوب کے قائل ہونے کے باوجود علامہ سعیدی صاحب کی داڑھی آج بھی اتباع رسول ﷺ میں سنت کے مطابق ہے۔ وہ علماء مشائخ جو عملاً قبضہ سے کم داڑھی رکھتے ہیں اور دلیل میں علامہ سعیدی کی تحقیق پیش کرتے ہیں انکو علامہ سعیدی صاحب کے مذکورہ قول اور آپ کے عمل کو مدنظر رکھنا چاہیئے''

(۵) ریل گاڑی پر نماز پڑھنے کا مسئلہ

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نے اپنی تصنیف شرح صحیح مسلم کی دوسری جلد میں ''کتاب صلوٰۃ المسافرین میں سواری اور کشتی پر نماز کے حوالے سے تفصیلی گفتگو فرمائی ہے۔ چونکہ یہ سواریاں خود حضور کے دور میں موجود تھیں لہذا اس پر فقہی مسائل اور اسکے نظائر موجود تھے ریل گاڑی یا جہاز بعد کے دور کی ایجاد ہیں لہذا اس پر نماز پڑھنے کے حوالے سے اطمینان بخش تحقیق کی ضرورت تھی۔ لہذا علامہ سعیدی صاحب نے اس مقام پر ٹرین پر نماز پڑھنے کے حوالے سے ایک منفرد طرز استدلال اپناتے ہوئے مدلل تحقیق قلمبند فرمائی ہے۔ بہت سے فقہاء اور علماء نے اس پر ضرورتاً نماز پڑھنے کی اجازت دی لیکن اسے واجب الاعادہ قرار دیا۔ مثلاً مولانا امجد علی اعظمی جنکا شمار بڑے فقہاء میں ہوتا ہے آپ بہار شریعت میں لکھتے ہیں۔ ''عذر من جہۃ العباد کی وجہ سے ریل گاڑی میں پڑھی ہوئی نماز کو دھرانا ہوگا۔'' (۳۳)

انکی یہ عبارت دراصل اس قاعدہ پر موقوف ہے کہ اگر کسی کام کے نہ کرنے میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے عذر ہو تو اس میں رخصت ہوگی۔ اور اگر مخلوق کی جانب سے عذر ہو تو رخصت نہیں ہوگی۔ اسلئے انکے نزدیک جب نماز کے وقت ریل تیز رفتاری سے چل رہی ہے اور وہ اس وجہ سے اتر کر نماز نہیں پڑھ سکتا تو شرعاً اسکو ریل میں نماز پڑھنے کی رخصت نہیں ہے۔ کیونکہ ریل کا نہ رکنا ڈرائیور یا انسان کے بنائے ہوئے قانون کی وجہ سے ہے۔ اگر ریل گاڑی میں نماز پڑھیگا تو اسکو نماز دہرانا ہوگی۔

علامہ سعیدی صاحب کی رائے اور تحقیق

علامہ صاحب نے اس مسئلہ پر ۱۰ صفحات پر مشتمل ۳۴ حوالہ جات کیساتھ محققانہ بحث کرنے کے بعد اپنی رائے بیان کی ہے کہ'' جب ٹرین میں نماز کا وقت آ جائے تو نماز پڑھنی چاہیے، اسے لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ اور اگر نماز کے پورے وقت میں

ٹرین نہیں رکی تو ٹرین میں نماز پڑھنا فرض ہے، اور اس کا ترک فرض کا ترک اور گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہے۔ مسافروں کو ٹرین میں سفر کے وقت قبلہ نما رکھنا چاہیے۔ تاکہ قبلہ کی سمت متعین کر سکیں۔ ورنہ دن میں سورج کو دیکھ کر بھی قبلہ کی سمت معلوم ہو جاتی ہے۔ اور قبلہ کی جانب کھڑے ہو کر نماز پڑھیں"

اس رائے کو قائم کرنے سے پہلے علامہ سعیدی صاحب نے فقہ کے بنیادی چاروں اصولوں سے استدلال کیا ہے سب سے پہلا استدلال قرآن کی آیت :فان خفتم فرجالا او رکبانا (سورۃ البقرہ: ۲۳۹) ہے۔ دوسرا استدلال ترمذی شریف کی حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے کیچڑ میں اترنے کی دشواری کی وجہ سے نماز پڑھائی۔ تیسرا استدلال اجماع امت سے ہے کہ خوف کی وجہ سے سواری پر نماز پڑھنے کے جواز اور بعد میں نہ لوٹانے پر امت کا اجماع ہے۔ چوتھا استدلال قیاس سے ہے جو آپ نے مقیس علیہ کی تفصیلات کے ساتھ کیا ہے اولاً کشتی پر قیاس کیا ہے اور ثانیاً چوپایہ پر۔ راقم اس کی چند تفصیلات کا ذکر ضروری سمجھتا ہے تاکہ علامہ صاحب کی انفرادیت واضح ہو سکے۔

(۱) علامہ سعیدی صاحب قرآن کریم سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فان خفتم فرجالاً او رکبانًا. (بقرہ آیت ۲۳۹) اگر تم دشمنوں سے خوف زدہ ہو تو پیادہ یا سوار جس طرح بن پڑے (نماز پڑھو) میدان جنگ میں کفار کے خوف سے جب مسلمان پیادہ یا سوار نماز پڑھیں تو یہ عذر من جہۃ العباد ہے اسکے باوجود اللہ تعالیٰ نے صلوۃ الخوف کو مشروع فرمایا اور اعادہ لازم نہیں فرمایا" (۳۴)

(۲) حدیث سے استدلال کرتے ہوئے علامہ سعیدی صاحب لکھتے ہیں "حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر خوف اس سے (امام کی اقتدا میں ایک رکعت پڑھنے سے) بڑھ جائے تو پیادہ یا سوار ہو کر نماز پڑھ لو خواہ قبلہ کی طرف منہ ہو یا نہ ہو۔ امام مالک نے کہا نافع کہتے ہیں میرا گمان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے سن کر ہی فرمائی ہے۔ (۳۵) اسکے علاوہ بھی کئی احادیث بیان کی ہے جن سے ثابت کیا ہے کہ ان میں اعذار مخلوق کی جانب سے ہیں۔ جس میں رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف رخصت دی ہے بلکہ اعادہ کا حکم بھی نہیں فرمایا۔ ان احادیث کی تصریحات میں علامہ سعیدی صاحب نے ائمہ و فقہاء کے بیان کردہ نکات بھی ذکر کیے ہیں جو انکے موقف کو مزید مضبوط کرتے ہیں۔

(۳) کتاب و سنت کے بعد سب سے بڑی دلیل اجماع ہے اسکے ثبوت کیلئے علامہ سعیدی صاحب نے فتاوی عالمگیری سے اور علامہ شامی کے حوالے سے کئی ثبوت پیش کیے ہیں۔ جن میں سے ایک "منیۃ المصلی" کے حوالے سے ہے وہ یہ کہ علامہ شامی فرماتے ہیں "منیۃ المصلی میں ہے کہ اگر کسی شخص نے دشمن یا درندے سے خوف یا کیچڑ کی بنا پر اشاروں سے نماز پڑھی تو وہ بالاجماع نہیں دہرائیگا۔ وفی منیۃ المصلی بالایماء لخوف عدو او سبع او مرض او طین لا یعید بالاجماع" (۳۶) اس عبارت سے اجماعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ان تمام مذکورہ حالات میں نماز واجب الاعادہ نہیں ہوگی۔

(۴) رہا قیاس تو علامہ سعیدی صاحب نے احادیث، فقہاء کی تصریحات اور اجماع کے ثبوت کیلئے جتنے بھی دلائل قائم کئے ہیں تقریباً ان میں سے کشتی پر یا سواری پر حالت سفر میں خوف یا اکراہ کے سبب نماز پڑھنے اور پھر انکا اعادہ نہ کرنے کی نظیریں موجود

ہیں۔ علامہ صاحب نے ان سب کو مقیس علیہ بنایا ہے۔

جب آپ نے دلائل سے یہ بات ثابت کر دی کہ ریل گاڑی میں نماز پڑھنا اور بعد میں اسکا اعادہ نہ کرنا جائز ہے تو پھر آپ نے اسی مسئلہ پر قیاس کرتے ہوئے ہوائی جہاز پر نماز پڑھنے کا بھی وہی حکم تحریر فرمایا چنانچہ لکھتے ہیں کہ "جن دلائل سے ٹرین میں نماز پڑھنا ثابت ہے، ان ہی دلائل سے ہوائی جہاز میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ کیونکہ ہوائی جہاز کی پرواز کے دوران نماز کے وقت اس سے اترنا قطعاً غیر متصور ہے۔ بعض پروازوں میں بارہ بارہ گھنٹے بلکہ اس سے بھی زیادہ پرواز ہوتی ہے۔ بہر حال جب نماز کے پورے وقت کے دوران جہاز پرواز کر رہا ہے تو نماز کا پڑھنا فرض ہے اور اس کا ترک کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ ہوائی جہاز میں اپنی سیٹ پر بیٹھ کر اشاروں سے رکوع سجود کرے اور سجود میں رکوع کی بہ نسبت زیادہ جھکے اور فرض نماز کو ترک نہ کرے" (۳۷)

(۶) الکحل کے جواز کی تحقیق

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نے الکحل کے جواز پر دو جلدوں میں اپنی تحقیق نقل فرمائی چوتھی جلد "کتاب المساقاۃ والمزارعۃ" اور چھٹی جلد "کتاب الاشربہ" میں بڑی تفصیل سے بحث کی ہے الکحل کے جواز کے لیے بنیاد دراصل آپ کی تحقیق ہے۔ جس میں آپ نے قرآن وحدیث اور فقہاء آئمہ کے اقوال وتصریحات سے ثابت کیا ہے کہ خمر کے علاوہ ہر وہ چیز جس کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اور قلیل مقدار نشہ آور نہ ہو تو اسکی قلیل مقدار پینا جائز ہے۔ آپ کی یہ تحقیق اس قدر تفصیل اور دلائل کے ساتھ اس سے پہلے ہمیں کہیں اور دکھائی نہیں دیتی۔ البتہ اسکے برعکس یعنی عدم جواز پر تحقیقات ضرور موجود ہیں۔ جنکی بناء پر الکحل جیسی چیز کو جسکا استعمال فی زمانہ اتنی کثرت سے ہے کہ شاید ہی اس سے کوئی بچ سکے مفتیان کرام اسکے متعلق ناجائز وحرام کے فتوے صادر فرماتے آئے۔ جسکی وجہ سے امت عسر سے دوچار ہوئی علامہ سعیدی صاحب نے اسی عسر کو محسوس کرتے ہوئے اس مسئلے پر تحقیق فرمائی۔ مدلل و برھن تحقیق کے بعد اس نتیجے پر پہنچ کر اس کا استعمال جائز ہے۔ اگرچہ احناف کا موقف یہی رہا ہے مگر احناف کی تحقیقات مجموعی طور پر سامنے نہ آسکی تھیں۔ آپ نے ان تمام کو ایک ساتھ جمع کیا اور اس حوالے سے امام اعظم اور امام ابویوسف کے اقوال کے مطابق فتوی صادر فرمانے پر زور دیا۔ آپکی اس تحقیق نے امت کے عسر کو یسر سے بدل دیا اور آپ اس فرمان رسول ﷺ کے مصداق قرار پائے۔ یسـروا ولاتعسروا "لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرو تنگی اور مشکلات پیدا نہ کرو"۔ اگرچہ علامہ صاحب کی یہ تحقیق کئی صفحات پر مبنی ہے راقم کی کوشش ہے کہ آپ کی تحقیق کے چند جزئیات کو بیان کرے تاکہ طوالت سے بھی بچا جا سکے اور علامہ صاحب کی تحقیق کی یہ انفرادیت بھی سامنے آجائے۔

قرآن کریم سے استدلال

آپ نے غیر خمر نشہ آور مشروبات کی قلیل مقدار کے جواز پر قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کیا ہے۔

ومن ثمراتِ النخیلِ و الاعنابِ تتخذون منه سکراً ورزقاً حسنا. (النحل ۶۷)

اور کھجوروں اور انگوروں کے کچھ پھل ہیں (کہ پانی میں ڈال کر) تم ان سے نبیذ اور اچھا رزق بناتے ہو۔

علامہ آلوسی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ "فقہاء احناف نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ نبیذ کی غیر نشہ آور مقدار

کو پیا جائز ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کے پیدا کرنے کو اپنے بندوں پر احسان قرار دیا ہے۔ اور احسان اسی چیز کا ہو سکتا ہے جو حلال ہو۔ لہذا یہ آیت اس پر دلیل ہے کہ جب نبیذ نشہ آور نہ ہو تو اسکا پینا جائز ہے اور جب وہ نشہ کی حد کو پہنچ جائے تو پھر اسکا پینا جائز نہیں ہے۔ امام دارقطنی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا خمر کو بعینہ حرام کیا گیا ہے۔ خواہ قلیل ہو یا کثیر اور ہر مشروب میں سے نشہ آور (مقدار) کو حرام کیا گیا ہے۔ ابراہیم نخعی امام ابو جعفر طحاوی اور سفیان ثوری وغیرہ کا یہ مذہب ہے کہ نبیذ جب تک نشہ کی حد کو نہ پہنچے اسکا پینا جائز ہے"۔ (۳۸)

احادیث مبارکہ سے استدلال

آپ لکھتے ہیں کہ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک ہر نشہ آور مشروب مطلقا حرام ہے خواہ اسکی مقدار کثیر ہو یا قلیل اور امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک خمر تو مطلقا حرام ہے اور خمر کے علاوہ باقی نشہ آور مشروبات جس مقدار میں نشہ آور ہوں اس مقدار میں حرام ہیں اور اس سے کم مقدار میں نہ حرام ہیں نہ نجس اور انکا پینا حلال ہے اس کے بعد آپ نے ان احادیث کو نقل کیا ہے جن سے امام اعظم ابو حنیفہ نے استدلال فرمایا ہے۔ راقم تفصیلات کے بجائے انکے بیان کردہ ماخذ و مراجع کے ساتھ محض ترجمہ پر اکتفاء کرتا ہے (۱) امام ابو حنیفہ، ابو عون اور عبداللہ بن شداد کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ خمر کو مطلقا حرام کیا گیا ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر اور ہر مشروب میں سے نشہ آور کو حرام کیا گیا ہے (۳۹)

علامہ سعیدی صاحب نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ اس حدیث کو متعدد محدثین کے حوالے سے کئی طرق سے ثابت کیا ہے جو درج ذیل ہیں امام ابو یوسف کی کتاب الآثار، امام ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ کی مصنف امام علی بن عمر دارقطنی کی سنن دارقطنی، حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی کی مجمع الزوائد امام ابو عبدالرحمن احمد بن شعیب کی سنن نسائی کی کئی احادیث ان تمام کے ذکر کے بعد علامہ سعیدی لکھتے ہیں کہ ہم نے حضرت ابن عباس کی اس روایت کے مستند کتب احادیث سے دس طرق بیان کیے ہیں، لہذا اس حدیث کے مشہور ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے اور اس حدیث کی بعض اسانید کے تمام راوی صحیح ہیں جیسا کہ حافظ الہیثمی نے تصریح کی ہے اور یہ حدیث حکماً مرفوع ہے اس لیے فقہاء احناف کا اس حدیث سے استدلال بالکل صحیح ہے جس مشروب کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اسکی قلیل مقدار حلال ہے اور اسکا پینا جائز ہے۔،، (۴۰)

فقہاء کے اقوال و استدلال

علامہ سعیدی صاحب نے قرآن و حدیث کے بعد امام ابو یوسف اور علامہ سرخسی کے دلائل کو بھی اپنے موقف کی تائید میں پیش کیا ہے اور ساتھ ساتھ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی روایات کو بھی پیش کیا ہے۔ جس میں نبیذ آور مشروب کو قلیل مقدار میں پینا جائز ہے۔ مزید آں علامہ بدر الدین کے حوالے سے کبار صحابہ اور فقہاء تابعین کے افعال و اقوال نقل فرمائے ہیں۔ اور ہر ایک پر تفصیلی گفتگو فرمائی ہے (۴۱)

بحث کے آخر میں علامہ صاحب نے الکوحل کے استعمال پر علامہ ابوالحسن مرغینانی (صاحب ہدایہ) کی عبارت کو پیش کیا ہے آپ لکھتے ہیں کہ: "انگور کے شیرے کو جب پکا لیا جائے اور اسکا دو تہائی اڑ جائے اور ایک تہائی باقی رہ جائے تو وہ حلال ہے خواہ وہ

گاڑھا یا تیز ہو، یہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کا نظریہ ہے۔ اور امام محمد، امام مالک اور امام شافعی نے کہا ہے یہ حرام ہے، یہ اختلاف اُس وقت ہے جب اس تیز شیرے سے قوت حاصل کرنے کا قصد کیا جائے اور اگر اس شیرہ کو لہو ولعب کے قصد سے پیا جائے تو پھر یہ بالاتفاق حرام، امام محمد کا ایک قول شیخین کے قول کی مثل ہے اور ایک قول کراہت ہے۔ اور ایک قول توقف کا ہے۔ امام محمد اور باقی ائمہ کی یہ دلیل ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور فرمایا جس چیز کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اس کی قلیل مقدار حرام ہے اور نبی ﷺ سے روایت ہے جسکا ایک مٹکا نشہ دے اسکا ایک گھونٹ بھی حرام ہے اور اس لیے کہ نشہ آور چیز عقل کو فاسد کرتی ہے، اس لیے خمر کی طرح اسکی قلیل اور کثیر مقدار حرام ہوگی اور امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا خمر بعینہ حرام ہے، خواہ قلیل ہو یا کثیر ہر مشروبات میں سے نشہ آور (مقدار) حرام ہے رسول ﷺ نے غیر خمر مشروبات میں سے بالخصوص نشہ آور مقدار کو حرام کیا ہے کیونکہ عطف مغائرت کو چاہتا ہے نیز فساد عقل کا سبب وہ آخری پیالہ ہے جو نشہ دیتا ہے اور وہ ہمارے نزدیک حرام ہے۔ اور خمر کی قلیل مقدار اس لیے حرام کی ہے کہ وہ اپنی رقت اور لطافت کی وجہ سے زیادہ مقدار میں پینے کی محرک ہوتی ہے اس لیے قلیل خمر کو بھی کثیر خمر کا حکم دیا گیا ہے اور مثلث اپنے گاڑھے ہونے اور حدت کی وجہ سے زیادہ پینے کا محرک نہیں ہوتا نیز وہ فی نفسہ غذا ہے اس لیے وہ اپنی اباحت پر باقی ہے(۴۴)

علامہ سعیدی صاحب، علامہ ابوالحسن مرغینانی کی یہ عبارات پیش کرنے کے بعد خود فیصلہ کن تصریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک طاقت حاصل کرنے کیلئے خمر کے علاوہ نشہ آور مشروب کی قلیل مقدار کو پینا جائز ہے البتہ لہو ولعب کیلئے جائز نہیں پینا اور امام محمد کے اس میں چار قول (حرام، مکروہ، مباح اور توقف کے) ہیں۔ علامہ ابوالحسن مرغینانی کا مختار امام ابوحنیفہ اور امام یوسف کا قول ہے اور وہ اصحاب تخریج میں سے ہیں اسی لیے ان ہی کی ترجیح کا اعتبار ہوگا"

آگے مزید لکھتے ہیں:

ہر چند کہ بعد کے مشائخ نے امام محمد کے قول پر فتویٰ دیا ہے لیکن ہماری رائے یہ ہے کہ بعد کے مشائخ کے مقابلے میں علامہ ابوالحسن مرغینانی (صاحب ہدایہ) کی ترجیح کا اعتبار کرنا ہی صحیح ہے کیونکہ ان مشائخ کے برخلاف علامہ مرغینانی صاحب ترجیح ہیں۔ جبکہ امام محمد کا ایک قول بھی امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے مطابق ہے اور قرآن مجید، احادیث، آثار صحابہ اور اقوال تابعین کا بھی یہی منشا ہے کہ خمر کے علاوہ دیگر نشہ آور مشروبات کی صرف وہ مقدار حرام ہے جو نشہ آور ہو اور وہ قلیل مقدار جو نشہ آور نہ ہو وہ حلال ہے۔ البتہ ان مشروبات کو بطور لہو ولعب استعمال کرنا جائز نہیں ہے اور وہ دوائیں جن میں ان کو حل استعمال کیجاتی ہیں اور وہ خوشبویات جن میں الکوحل یا اسپرٹ استعمال ہوئی ان دلائل کی روشنی میں انکا استعمال جائز ہے۔ کیونکہ ان مرکبات میں الکوحل یا اسپرٹ بہت قلیل مقدار میں ہوتی ہیں۔ اس تحقیق سے میرا مقصد شریعت کی دی ہوئی گنجائش کی روشنی میں مسلمانوں کیلئے یسر اور آسانی فراہم کرنا ہے۔ کیونکہ اب علاج کے عام ذرائع میں الکوحل اور اسپرٹ استعمال کی جاتی ہے (جسکے استعمال سے شاید ہی کوئی

مسلمان بچ سکے۔ راقم) نبی ﷺ کا ارشاد ہے۔ یسروا و لا تعسروا۔ آسانی فراہم کرو اور مسلمانوں کو مشکلات میں نہ ڈالو (۴۳)

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کی اس تحقیق نے امت مسلمہ کو بہت بڑی پریشانی اور ذہنی الجھن سے بچایا ہے اس لیے کہ الکوحل یا اسپرٹ کا استعمال اب نہ صرف دواؤں بلکہ روزمرہ کے استعمال کی اشیاء مثلاً برتنوں پر کلرز، کپڑوں کی ڈائنگ، دیواروں اور لکڑی کے فرنیچر زپر کلرز کی صورت میں اور ہر قسم کے پرفیومز اور بالوں میں استعمال کرنے والے کیمیکل میں بکثرت مشتمل ہے اگر گزشتہ فتاوؤں پر عمل کرتے ہوئے اس نا جائز و حرام قرار دیا جائے تو امت ایک بڑی مشکل میں پھنس جائے گی۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ اللہ رب العزت علامہ سعیدی صاحب کو اجر عظیم عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ انکے علم و عمل میں مزید وسعت و برکت عطا فرمائے۔

حرف آخر (تتمہ)

غلام رسول سعیدی صاحب مدظلہ العالی کی تحقیقات اور اس کے ساتھ ساتھ مجتہدات تفردات آپ کی کتابوں بالخصوص شرح صحیح مسلم تفسیر تبیان القرآن اور نعمت الباری (شرح صحیح بخاری) میں جگہ جگہ موجود ہیں۔ راقم نے یہاں محض چند تفردات کو اجمالی طور پر پیش کرنے کی کوشش کی ہے اگر آپ کے تمام تفردات کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب وجود میں آسکتی ہے اگرچہ اس پر مفتی محمد اسمٰعیل نورانی صاحب نے "حقائق شرح صحیح مسلم" میں کام کیا ہے لیکن وہ بھی ناکافی ہے۔ میں نے اس تحریر میں اس سے بھی مدد لی ہے دوران مطالعہ جو تفردات میرے سامنے آئے ہیں وہ فرداً ذکر کرتا ہوں تاکہ اس پر کام کرنے والوں کیلئے مزید آسانیاں پیدا ہوں جائیں اور اگر راقم کو اللہ نے توفیق عنایت فرمادی تو اس کام کو مزید ان شاءاللہ آگے بڑھاتے ہوئے اس کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کروںگا وما توفیقی الا باللہ۔

آپ کے مزید تفردات درج ہیں

۱۔مغفرت ذنب کا مسئلہ

۲۔برتھ کنٹرول کی مختلف صورتوں میں علامہ سعیدی صاحب کی تحقیق۔

۳۔مسائل رحم پر آپ کی تحقیقات۔

۴۔اعضاء کی پیوندکاری۔

۵۔ٹیسٹ ٹیوب بے بی پر علامہ کا موقف۔

۶۔گھڑی والی چین کا استعمال۔

۷۔علامہ صاحب کا انسان پر جنات کی تصرفات اور ان میں حلول کرنے سے انکار اور اسکی تحقیق۔

۸۔آلات قصاص میں علامہ صاحب کی تحقیق۔

۹۔خروج امام حسین علیہ السلام۔

۱۰۔تصویر اور فوٹوگرافی کے حوالے سے علامہ صاحب کا موقف۔

مسائل مذکورہ پر علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کا موقف یا تو دوسرے محققین سے مختلف ہے یا پھر وہی ہے مگر اسکے ثبوت کیلئے مزید دلائل و براہین کے انکشافات ہیں جو آپکی تحریر کو دوسروں سے ممتاز کرتے ہیں اسکے علاوہ بھی تفردات غور و فکر اور مطالعہ سے نکالے جا سکتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ مفتی اسماعیل نورانی حقائق شرح صحیح مسلم ص ۱۳ فرید بک اسٹال لاہور

۲۔ ایضا ص ۱۴

۳۔ حافظ نور الدین الہیثمی مجمع الزوائد ج ۹ ص ۵۷ بحوالہ شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۹۸۱

۴۔ حافظ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری المستدرک ج ۳ ص ۱۲۳ دار الفکر بالتوزیع کی بحوالہ شرح صحیح مسلم

۵۔ علامہ غلام رسول سعیدی شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۹۸۷ فرید بک اسٹال لاہور

۶۔ ایضا ص ۹۸۹

۷۔ ایضا ص ۹۹۰

۸۔ ایضا ص ۹۹۱

۹۔ ایضا ص ۹۹۱۔۹۹۳

۱۰۔ علامہ غلام رسول سعیدی شرح صحیح مسلم ج ۴ ص ۱۱۴ فرید بک اسٹال لاہور

۱۱۔ ایضا ص ۱۱۴

۱۲۔ ایضا ص ۱۱۸

۱۳۔ ایضا ص ۱۱۹

۱۴۔ ایضا ص ۱۲۵

۱۵۔ ایضا ص ۱۱۷۔۱۱۸

۱۶۔ ایضا ص ۱۴۰

۱۷۔ احمد رضا خان تجلی الیقین ص ۲۶ مطبوع حامد اینڈ کمپنی لاہور بحوالہ شرح صحیح مسلم ج ۷ ص ۹۹۳

۱۸۔ مفتی احمد یار خان نعیمی مرآۃ المناجیح ج ۱ ص ۲۵ ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور

۱۹۔ ایضا ج ۳ ص ۲۰۶

۲۰۔ علامہ سید محمود آلوسی روح المعانی ج ۶ ص ۲۱۰

۲۱۔ البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۲۴۳، الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۲۶۹

۲۲۔ الادب المفرد امام بخاری ص ۲۶۴ بحوالہ شرح صحیح مسلم ج ۷ ص ۱۰۷

۲۳۔ مجموع الفتاوی ج ۱ ص ۲۶۷ بحوالہ شرح صحیح مسلم ج ۷ ص ۱۰۷

۲۴۔ مسند ابو یعلی ج ۶ ص ۱۰۱ المطالب العالیہ لابن حجر ج ۴ ص ۲۲۶ بحوالہ شرح صحیح مسلم

۲۵۔ امام احمد رضا خان تجلی الیقین ص ۳۵، ۴۵، ۷۸، ۸۴، ۸۲، مطبوعہ فرید بک اسٹال۔

۲۶۔ مولانا اسمٰعیل نورانی، حقائق صحیح مسلم، ص ۱۰۸
۲۷۔ مفتی احمد یار خان نعیمی، مرآۃ المناجیح، ج ۱، ص ۲۷۶، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور۔
۲۸۔ مفتی شریف الحق امجدی، نزہۃ القاری، ج ۵، ص ۵۶۰
۲۹۔ علامہ غلام رسول سعیدی، شرح صحیح مسلم، ج ۱، ص ۹۳۱، فرید بک اسٹال
۳۰۔ ایضاً:..................................... ج ۶، ص ۲۵۰...................
۳۱۔ علامہ غلام رسول سعیدی، ج ۶، ص ۲۵۱، شرح صحیح مسلم، فرید بک اسٹال
۳۲۔ مولانا اسمٰعیل نورانی، حقائق صحیح مسلم، ص ۱۱۰، فرید بک اسٹال
۳۳۔ امجد علی اعظمی، بہار شریعت، ج ۶، ص ۱۰، مطبوعہ شیخ غلام اینڈ سنز کراچی۔
۳۴۔ علامہ غلام رسول سعیدی، شرح صحیح مسلم، ج ۲، ص ۲۰۲، فرید بک اسٹال لاہور۔
۳۵۔ محمد بن اسمٰعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ۲، ص ۹۶۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی۔
۳۶۔ علامہ ابن عابدین شامی، منحۃ الخالق علی ہامش البحر، ج ۱، ص ۱۲۲، مکتبہ ماجدیہ، بحوالہ شرح صحیح مسلم
۳۷۔ علامہ غلام رسول سعیدی، شرح صحیح مسلم ... ج ۲، ص ۲۰۷
۳۸۔ علامہ ابوالفضل شہاب الدین آلوسی، روح المعانی، ج ۱۲، ص ۱۸۱، بحوالہ شرح صحیح مسلم، ج ۶، ص ۱۸۹
۳۹۔ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت، مسند امام اعظم، ص ۲۳۳، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز
۴۰۔ علامہ غلام رسول سعیدی، شرح صحیح مسلم، ج ۶، ص ۱۹۲
۴۱۔ ایضاً، ج ۶، ص ۱۹۵ تا ۲۰۲
۴۲۔ علامہ ابوالحسن مرغینانی، ہدایہ اخیرین، ص ۴۹۸ تا ۴۹۷، مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان
۴۳۔ علامہ غلام رسول سعیدی، شرح صحیح مسلم، ج ۶، ص ۲۲۲ تا ۲۲۳